© rasailojaraid.com

عروج وزوال کے الٰہی قوانین

از

(جناب مولوی محمد تقی صاحب امینی)

قوموں کا عروج وزوال

تو گل از باغ می خواہی من از گل باغ می جویم — من از آتش دخاں بینم تو آتش از دخاں بینی

دنیا تغیر وانقلابات کی آماجگاہ ہے۔ یہاں قوموں کی باہمی کشمکش ہے اور جماعتیں ایک دوسرے کے ساتھ زور آزمائی میں مصروف ہیں آج کوئی قوم برسر اقتدار ہے تو کل اس کی جگہ دوسری لے لیتی ہے پھر زیادہ دن نہیں گذرنے پاتے ہیں کہ وہ کسی اور کے لئے جگہ خالی کر دیتی ہے۔

قدیم زمانہ میں "بابل ونینوا کو آباد کرنے والی قومیں"۔ "عاد وثمود جیسی پہاڑوں سے ٹکرانے والی طاقتیں"، "نمرود وفرعون" جیسی زیر وزبر کرنے والی شہنشاہیتیں۔ "روم وایران" جیسی تہذیب وتمدن کی شمع روشن کرنے والی سلطنتیں، اور نہ معلوم کتنی قومیں اور کتنی حکومتیں آسمان ترقی پر پہنچیں اور پھر ذلت ونامرادی کے گڑھے میں گر کر خاک ہوگئیں۔

یہ اُجڑی ہوئی بستیاں۔ یہ ظلم کی چکی میں پسنے والی قومیں۔ یہ خاک وخون میں لتھڑے ہوئے ملک یہ صحراؤں کے بھٹ اور پہاڑوں کے غاروں میں بھی گوشۂ عافیت نہ پانے والی آبادیاں اور تمام گمنام وبےبس قومیں جو آج کیڑے مکوڑوں کی طرح زندگی گذار رہی ہیں دراصل یہ سب وہی ہیں جن پر اقبال وفیروزمندی کا آفتاب روشن ہوچکا تھا اور باغ وبہار کا مزہ لوٹنے کے بعد ہی انھیں یہ دن دیکھنے پڑے ہیں " سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَةُ الْمُکَذِّبِیْنَ " اس مرحلہ پر دور جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ عروج وزوال کے بارے میں مسلمانوں کی تاریخ اتنا واضح اور مکمل نمونہ پیش کرتی ہے کہ جس کے بعد اور کسی قوم کی تاریخ دیکھنے کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ضرورت نہیں رہ جاتی

یہ وہ قوم ہے جو اپنے ابتدائی زمانہ میں طوفان کی طرح اٹھی بجلی کی طرح چمکی اور دیکھتے ہی دیکھتے اپنی حکومت و مملکت کی حدیں اتنی وسیع کرلیں کہ داعیٔ انقلاب کی وفات کے بعد بارہ برس کے اندر چھتیس ہزار شہر اور قلعے فتح کرکے بائیس لاکھ مربع میل پر قبضہ کرلیا اور پہلی صدی ہجری ختم ہونے سے پہلے ہی ایک طرف تو مشرق میں "سندھ" اور "چینی ترکستان" تک اور دوسری طرف مغرب میں "ہسپانیہ" تک اپنے اقتدار میں لے لیا۔ علوم و فنون کی ترقی کے لحاظ سے مدتوں ساری دنیا پر اپنی فوقیت و برتری کا بے داغ سکہ چلایا۔ ذہنی و دماغی اور اخلاقی و مادی لحاظ سے صدیوں ایسی کامیاب حکومت کی کہ اپنے پاور ہاؤس سے پرانی دنیا کے تینوں براعظم کو روشنی پہنچاتی رہی، اب یہ وہی قوم ہے جس پر فلاکت و ادبار مسلط ہے۔ جو ذلیل و خوار ہے۔ جس کے بازو شل اور دماغ جامد ہیں جس میں جہاد و اجتہاد کی طاقت ناپید ہے۔ جو اپنے وطن سے بے وطن ہو رہی ہے اور وطن میں رہ کر غریب الوطنی کی زندگی گذارنے پر مجبور ہے۔ جو آج کسی کی غلامی میں پھنستی ہے تو کل کسی اور کی محکومیت کا طوقِ لعنت پہنتی ہے جس کا دنیا میں نہ کوئی غم گسار باقی رہ گیا ہے اور نہ یار و مددگار۔ جس کی حالتِ زار پر نہ آسمان کو رونا آتا ہے اور نہ زمین کو " فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ وَمَا كَانُوا مُنظَرِينَ۔"

اسی طرح تاریخ عالم پر نظر ڈالئے تو بہت سی ایسی مثالیں دکھائی دیں گی جو بلندیوں اور سرفرازیوں پر پہنچ کر گریں اور گر کر پست ہو گئیں اور بہت سی وہ ملیں گی جو پستیوں اور نامرادیوں سے اٹھیں اور اٹھ کر بلند ہو گئیں۔ مغرب میں قلعۂ الحمراء اور قصر الزہراء، مشرق میں قلعۂ شاہجہانی اور تاج محل زبان حال سے اسی حقیقت کی شہادت پیش کر رہے ہیں۔

الغرض یہی نشیب و فراز۔ یہی اتار چڑھاؤ۔ یہی بناؤ بگاڑ ایک لامعلوم زمانہ سے چلا آرہا ہے نہ اس میں کسی قسم کی تبدیلی ہوتی ہے اور نہ کسی ایک حالت پر سکون اور ٹھہراؤ نظر آتا ہے۔

عروج و زوال بخت و اتفاق کی بنا پر نہیں ہوتا بلکہ اس کے لئے اسباب و علل بھی ہوتے ہیں

ایسی حالت میں یہ سوال خود بخود پیدا ہوتا ہے کہ اس تغیر و انقلاب کے پس پشت کچھ قوانین و اسباب کارفرما ہوتے رہے ہیں؟ یا یہ سب کچھ محض بخت و اتفاق کا نتیجہ رہا ہے؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس حقیقت سے فلسفہ کا طالب علم اچھی طرح واقف ہے کہ علت ومعلول کی دنیا میں ہر ادنیٰ سے ادنیٰ تغیر اور معمولی سے معمولی انقلاب کے لئے اسباب وعلل کا پایا جانا ضروری ہے۔

یہ اور بات ہے کہ اسباب وعلل کی دنیا تک ہماری فہم نارسا کی رسائی نہ ہو اور وہ ہماری سمجھ میں نہ آسکیں اس بنا پر یہاں کسی شے کے اتفاقاً بلا کسی سبب کے ہوجانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا البتہ وہ اسباب وعلل کیا ہیں جن پر قوموں کا عروج اور زوال ہوتا رہتا ہے؟

اس سلسلہ میں ہمیں فلسفۂ تاریخ سے بہت کچھ رہنمائی مل سکتی ہے لیکن بدقسمتی سے اس کا جدید ایڈیشن جو ہمارے سامنے ہے وہ ایک ایسی فضا کا پیداوار ہے جس میں زندگی کی حقیقتوں میں سراغ رسانی کا معیار بدل چکا ہے اس لئے لازمی طور سے یہ ماننا پڑے گا کہ وہ افراط وتفریط سے پاک ہوکر اس مسئلہ کا صحیح حل پیش کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکا ہے۔ پھر عروج کے جن اسباب کی طرف وہ نشاندہی کرتا ہے وہ بعض حیثیات سے اس قدر ناقص ونامکمل ہیں کہ ان پر پوری طرح قابو حاصل کرلینے کے بعد بھی حقیقی معنوں میں "انسانیت" اپنی تشنگی نہیں بجھا سکتی ہے چنانچہ جن لوگوں نے "ڈاکٹر لیبان" و "رینان" اور ان کے ہم خیال لوگوں کی کتابوں اور مقالات کا خورد بینی کی نگاہ سے نہیں بلکہ حقیقت بینی کی نگاہ سے مطالعہ کیا ہے وہ یقیناً ہماری اس رائے سے اتفاق کریں گے۔ اور اسباب وعلل کی دنیا تک پہنچنے کے لئے کہیں اور سے روشنی حاصل کرنے پر مجبور ہوں گے۔

بڑی ناقدرشناسی ہوگی اس موقع پر اگر ہم خلاقِ فطرت کے عطا کئے ہوئے دستورِ حیات (قرآن حکیم) میں اس مسئلہ کا حل تلاش کرنے کی کوشش نہ کریں حالانکہ اس کا دعویٰ ہے کہ اس کے پیش کئے ہوئے نظام میں زندگی کے تمام "خدوخال" نمایاں کئے گئے ہیں نیز یہ کہ وہ "خالص فطری نقطۂ نگاہ" سے تمام بنیادی مسائل کا حل پیش کرتا ہے۔

اس جگہ ہم "قرآن حکیم" میں متجسسانہ نظر ڈالنے سے پہلے ایک اہم حقیقت واضح کردینا ضروری سمجھتے ہیں وہ یہ ہے کہ آج ہمارے لئے کسی مسئلہ کو فطری طور پر سمجھنا اس لئے مشکل ہوگیا ہے کہ بے لگام عقل وہوس کی موشگافیوں اور سرمستیوں نے ہمارے اوپر قبضہ جما رکھا ہے جس کی بنا پر ہر شے کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دیکھنے اور سمجھنے کے لئے خوردبینی کی نگاہوں کی تلاش ہوتی ہے اور جب تک اسی نگاہ سے شئی کو دیکھ نہیں لیا جاتا اس پر اعتبار نہیں قایم ہوتا۔

اس سلسلہ میں صرف اتنی گذارش ہے کہ اگر آپ کے پاس غیر مسلح نگاہیں موجود ہیں تو اس ترجمان الفطرت (قرآن) کو انھیں نگاہوں سے دیکھنے کی کوشش کیجئے۔

اور اگر آپ نے اس کو مسلح نگاہوں سے دیکھا تو یہ ایک طے شدہ حقیقت ہے کہ جس قدر آپ سلجھاؤ کی کوشش کریں گے معاملہ اُلجھتا جائے گا۔ اور بالآخر یہ نتیجہ نکلے گا کہ

ہاں اہل طلب کون سنے طعنۂ نایافت ‏ ‏ دیکھا کہ وہ ملتا ہی نہیں اپنے کو کھوآئے

قرآن حکیم کا بیان اس بارے میں زیادہ جامع اور حقیقت آمیز ہے

قرآن حکیم کی نظر میں جس طرح مادی دنیا کی کوئی شے اتفاقاً نہیں ہوتی اسی طرح معنوی دنیا یعنی انسانوں کی عمرانی و اجتماعی زندگی کی کوئی شے بھی محض بخت و اتفاق کا نتیجہ نہیں قرار دی جاسکتی بلکہ ہر ایک کے لئے اصول و ضوابط مقرر ہیں جن کے ماتحت تغیر و انقلاب کی منزلیں طے ہوتی رہتی ہیں۔

چنانچہ قوموں اور جماعتوں کے جو احوال و ظروف "قرآن" میں بیان کئے ہیں ان میں گہری نظر ڈالی جائے تو یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ وہ حق و باطل کی معرکہ آرائی۔ آزادی و غلامی کی کشمکش ظالم و جابر حکومتوں کی قہرمانی اور مظلوم و مقہور کے ہاتھوں ان کی ہلاکت و بربادی کی عبرت انگیز داستانیں اور لرزہ خیز حکایتیں ہی نہیں ہیں بلکہ ان میں ایک خاص طرز سے عروج و زوال کے اسباب۔ موت و حیات کے ضوابط اور بناؤ بگاڑ کے قوانین بیان ہوئے ہیں۔ اور ان کے بیان سے کسی قوم و جماعت کی محض تاریخ پیش کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ اسباب و علل کی دنیا کے چند ابدی حقایق ہیں جن کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے۔

زمانہ جدید کے مورخین نے تاریخی واقعات سے اجتماعی قوانین نکالے ہیں اور قوموں کی طبیعت کے اصول اخذ کئے ہیں جن کو دنیا دورِ جدید کا "شاہکار" سمجھتی ہے۔

لیکن قرآن حکیم نے آج سے تقریباً چودہ سو سال پہلے تاریخی حقایق سے اجتماعی قوانین۔

۱۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اخلاقی خصوصیات اور عقاید و اعمال کے خواص و نتائج سے بحث کی ہے اور ہر صاحبِ بصیرت کو اس بات کی طرف غور و فکر کی دعوت دی ہے کہ دنیا کا ہر تغیر و انقلاب ہر اتار چڑھاؤ نہ کبھی بخت و اتفاق کا نتیجہ رہا ہے اور نہ رہتی دنیا تک ایسا ہونا ممکن ہے بلکہ اس سلسلہ میں ہمیشہ "قوانین فطریہ" کام کرتے چلے آئے ہیں وہ جس طرح ماضی میں پائے جاتے رہے ہیں بعینہٖ اسی طرح حال و مستقبل میں پائے جاتے رہیں گے۔

ان میں نہ کسی قسم کی تبدیلی پہلے ہوئی ہے اور نہ اب ہونے کا امکان ہے۔

قرآن کی خاص اصطلاحی زبان میں انھیں قوانین کو لفظ "سنۃ" سے تعبیر کیا گیا ہے اور انھیں کی تشریح و توضیح اس کتاب کا "موضوع" ہے "سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا"

عروج وزوال کا نظام اہلیت وصلاحیت پر قائم ہے

اب ہم قرآن حکیم کی روشنی میں اس "زمین" کی نشاندہی کرتے ہیں جہاں سب سے پہلے عروج وزوال کی تخم ریزی ہوتی ہے۔

اس سلسلہ کی آیتیں یہ ہیں

إِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ ۱۳/۱۱

بے شک اللہ کبھی اس حالت کو نہیں بدلتا جو کسی قوم کو حاصل ہوتی ہے جب تک کہ وہ خود ہی ان چیزوں کو نہ بدلیں جو ان کے "انفس" کے ساتھ وابستہ ہیں

ذٰلِكَ بِأَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِعْمَةً أَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ ۸/۵۳

یہ بات اس لئے ہوئی کہ اللہ جو نعمت کسی قوم کو عطا فرماتا ہے اسے وہ اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک کہ اس قوم کے افراد ان چیزوں کو نہ بدلیں جو ان کے "انفس" کے ساتھ وابستہ ہیں۔

دونوں آیتوں میں لفظ "مَا بِأَنْفُسِهِمْ" نہایت غور و فکر کا مستحق ہے اس کی حقیقت واضح ہو جانے کے بعد عروج وزوال کے بارے میں "سنت اللہ" کی بنیاد واضح ہو جاتی ہے اس لئے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس موقع پر کچھ تھوڑی سی تشریح کی ضرورت ہے۔

قومی و جماعتی زندگی میں انقلاب کے دو درجہ ہوتے ہیں، پہلا درجہ ذہنی انقلاب کا ہوتا ہے اور دوسرا عملی انقلاب کا۔ پہلے افکار و احساسات اور تصوراتِ زندگی میں تبدیلی ہوتی ہے جس سے سوچنے سمجھنے کی بنیادیں متعین ہوتی ہیں پھر انھیں بنیادوں پر عمل کی دیواریں استوار ہو کر پوری عمارت کی تشکیل ہوتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ باہری دنیا کی تبدیلی اندرونی تبدیلی پر موقوف ہے اور "عالمِ آفاق" کا تغیر "عالمِ انفس" کے تغیر کا رہینِ منت ہے۔ اسی بنا پر انقلاب خواہ عروج کی طرف ہو یا زوال کی طرف سب سے پہلے اس کی تخم ریزی قلب و دماغ اور ذہن و افکار میں ہوتی ہے پھر اس کی برگ و باری اور تناور درخت بننے کے لئے دنیا کی وسیع اور کشادہ آبادی کی ضرورت پڑتی ہے۔

مذکورہ آیتوں میں قرآنِ حکیم نے اپنے معجزانہ انداز میں اسی حقیقت کو واضح کیا ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ کوئی قوم عزت و اقتدار اور عروج کی نعمت سے سرفراز ہے تو جب تک اس کے اندر اس نعمت سے فائدہ اٹھانے کی اہلیت باقی رہتی ہے قدرت اس کو سلب نہیں کرتی۔

اور جب وہ ذہنی و فکری اور پھر عملی و اخلاقی لحاظ سے اس بات کا ثبوت فراہم کر دیتی ہے کہ اب وہ اس نعمت سے متمتع ہونے کے قابل نہیں رہ گئی تو قدرت اس نعمت کو اس سے سلب کر لیتی ہے۔

اسی طرح جس قوم پر فلاکت و ادبار اور زوال مسلط ہے تو جب تک خود اس قوم کو احساس نہیں ہوتا اور سوچنے سمجھنے کے ڈھنگ میں بنیادی تبدیلی پیدا کر کے اعمال و اخلاق کے ذریعہ نعمتوں سے سرفراز ہونے کا استحقاق نہیں ثابت کر دیتی اس وقت تک قدرت دوسری قوم کو ہٹا کر اس کی جگہ اس قوم کو نہیں بٹھاتی اور جب مستحق ہونے کا ثبوت فراہم ہو جاتا ہے اور اس اثنا میں دوسری قوم مہلت و ڈھیل کی ساری منزلیں طے کر چکی ہوتی ہے تو پھر وہ ہٹا دی جاتی ہے اور یہ قوم اپنا جائز مقام پیدا کر لیتی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حاصل یہ کہ کسی قوم کے جب تباہی و بربادی کے دن آتے ہیں تو سب سے پہلے فکر و نظر میں تبدیلی ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ رفتہ رفتہ زندگی کے جواہر فنا کر کے زندہ رہنے کی اہلیت و صلاحیت کھو دیتی ہے۔

اسی طرح جس قوم کو ابھرنا ہوتا ہے تو پہلے فکر و نظر کی اصلاح ہوتی ہے پھر "جواہر" کی نشو و نما ہو کر رفتہ رفتہ زندگی کی اہلیت و صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔

الغرض دنیا میں قوموں اور جماعتوں کا نظام جد و جہد، سعی و طلب اور فکر و عمل کی صلاحیتوں پر قائم ہے خوابوں کی دنیا میں رہنے والی قومیں اور دور سے "سراب" کو دیکھ کر پانی سمجھنے والی جماعتیں کبھی کامیابی کی منزل سے ہم کنار نہیں ہو سکتیں۔

اور لفظ "ما بانفسھم" میں جس طرح تمام ان صلاحیتوں کی طرف اشارہ ہے کہ زندگی کی گاڑی چلانے کے لئے جن کی ضرورت پڑتی ہے اسی طرح تمام ان کمزوریوں اور کوتاہیوں کی طرف بھی اشارہ ہے جن کے دور کئے بغیر اس گاڑی کا چلنا محال اور دشوار ہوتا ہے۔

قدرت کی نظر میں اہلیت و صلاحیت "افادیت" کے پیمانہ سے ناپی جاتی ہے

اس کی مثال بالکل یوں سمجھئے کہ دنیا ایک باغ ہے اور اس کے مالک کے سامنے باغ کے آراستہ کرنے کا ایک نقشہ ہے جس میں اس بات کی پوری پوری کوشش کی گئی ہے کہ یہ مخلوق کے لئے زیادہ سے زیادہ مفید اور نافع ثابت ہو۔

مالک کو ایسے باغباں کی تلاش ہے جس نے ٹھیک ٹھیک اس نقشہ کے مطابق "افادیت" کے تمام خد و خال نمایاں کرنے کی مشق کی ہو۔ جب تک یہ نہ ملے گا حسب حیثیت "افادیت و صلاحیت" کے پیش نظر ہر ایک کو موقع دیا جاتا رہے گا لیکن جب اس قسم کا باغباں مل جائے گا تو "حق، صاحب حق تک پہنچانے میں کسی قسم کا دریغ نہ ہوگا۔

عہ جرمن کے مشہور فلسفی "نٹشے" نے نفس کی یہ تعریف کی ہے۔
"خیالات و احساسات کی تہ میں ایک زبردست حاکم اور ایک نامعلوم فلسفی مضمر ہے جسے نفس (سلف) کہا جاتا ہے لیکن "النفس" اس موقع پر اس سے زیادہ وسیع اور عام ہے اور اندر کی تمام ان قوتوں میں شامل ہے جن کا اثر بناؤ یا بگاڑ کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ ایک دوسرے موقع پر "النفس" کو "آفاق" کے مقابلہ میں استعمال کیا گیا ہے سنریھم آیتنا فی الآفاق و فی انفسھم ۲۲/۵۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قرآن حکیم کی درج ذیل آیت میں اسی حقیقت کو واضح کیا گیا ہے۔

أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَالَتْ أَوْدِيَةٌ
بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا
وَمِمَّا يُوقِدُونَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَاءَ
حِلْيَةٍ أَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهُ كَذَٰلِكَ
يَضْرِبُ اللَّهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ فَأَمَّا الزَّبَدُ
فَيَذْهَبُ جُفَاءً وَأَمَّا مَا يَنفَعُ النَّاسَ
فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ كَذَٰلِكَ يَضْرِبُ
اللَّهُ الْأَمْثَالَ ۱۳/۱۷

اللہ نے آسمان سے پانی برسایا جس سے نالے ندیاں اپنی مقدار کے مطابق بہنے لگیں اور سیلاب کی "رو" نے اوپر اوپر جھاگ پیدا کر دیا۔ ایسی جھاگ اس وقت بھی پیدا ہوتی ہے جب کہ زیور اور دوسری چیزیں بنانے کے لئے دھاتوں کو آگ میں پگھلاتے ہیں۔

اللہ حق و باطل کی ایسی ہی مثال دیتا ہے دیکھو جھاگ تو ناچیز اور ناکارہ ہو کر معدوم ہو جاتی ہے اور جو چیز نفع مند اور کارآمد ہے وہ زمین میں باقی رہتی ہے۔

پانی سونا چاندی اور دوسری دھاتیں چونکہ "نافع" ہیں اس لئے باقی رہتی ہیں اور اوپر آئی ہوئی جھاگ "غیر نافع" ہے اس لئے ختم ہو جاتی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ دنیا میں جو بحیثیت مجموعی "نافع" ہو اس کو پائیداری حاصل ہوتی ہے اور جو غیر نافع ہو.... وہ رفتہ رفتہ ختم ہو جاتی ہے۔

سیلِ آب پر ابھر ابھر کر آنے والے تنکے بے فیض اور بے ٹھکانے ہوتے ہیں لیکن زرخیز مٹی تہ میں بیٹھ کر جم جاتی ہے، ایسے ہی پگھلی ہوئی دھاتوں کی سطح پر پیدا ہونے والی جھاگ بے قدری سے ہٹا دی جاتی ہے مگر خالص دھات اپنی افادیت کی وجہ سے قابل قدر ہوتی ہے۔

قرآن حکیم قیام و ثبات کے لئے "بقاء انفع" کا نظریہ پیش کرتا ہے

اس آیت میں دراصل "بقاء انفع" کا نظریہ پیش کیا گیا ہے اس میں اور علمی دنیا کے "بقاء اصلح" کے نظریہ میں وہی فرق ہے جو انسان اور مالک تعالیٰ کے "نظریہ" میں ہونا چاہیے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"انسانیت" کے تمام گوشوں کو سمجھنے کے لئے جو وسعت اور بلندی پہلے میں ہے وہ نہ دوسرے میں ہو سکتی ہے اور نہ ہے۔

ایک تو یہ انسان کی بنیاد حیوانیت پر رکھی جائے اور حیوان کی ترقی یافتہ شکل سمجھ کر اسی زاویۂ نگاہ سے اس کے مسائل حل کرنے کی کوشش کی جائے۔

اور دوسری یہ کہ انسان کی بنیاد "اخلاق" پر رکھی جائے اور اس کو دنیا میں اللہ کا نائب وقائم مقام مانا جائے پھر اس کے مسائل حل کیے جائیں۔

ان دونوں میں بڑا فرق ہے اور عملی میدان میں دونوں کا اثر بالکل دو مختلف شکلوں میں ظاہر ہوگا۔

پہلی راہ وہ ہے کہ جس پر چل کر مفکرینِ عالم "انسانیت" کے مسائل حل کرنے میں مصروف ہیں اور آپ غور فرمائیے کہ "نایافت" کے طعنے سے بچنے کے لئے کس طرح "انسانیت" کے "اقدار" بدلتے جا رہے ہیں۔

اور دوسری "راہ قرآن" کی ہے کہ ابتدائے آفرینش سے جب کبھی انسان نے اس راہ کو اپنایا ہے دنیا امن و شانتی کا گہوارہ بن گئی ہے اور انسانوں کے درمیان سے تمام "دوئی" کے پردے ہٹ گئے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ہزاروں سال کی مسلسل جستجو کے بعد جدید انسان نے خارجی حقیقت کی "عکاسی" کے لئے جو آئینہ تیار کیا ہے اس میں سوائے "اپنے" عکس کے تقریباً ساری چیزیں اس نے دیکھ لی ہیں باہر کی دنیا کا پتہ لگانے میں وہ بہت حد تک کامیاب ہے لیکن خود انسان کے بارے میں ابھی بہت سے سوالات باقی ہیں جن کا تشفی بخش جواب اُسے نہیں مل سکا۔

اور یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ جب تک انسان ٹھیک اپنا پتہ نہ لگائے گا اس وقت تک دنیا کے دیگر مسائل کا خاطر خواہ حل نہ ڈھونڈھ سکے گا۔

قرآن کا کام بس انسان کی حقیقت واشگاف کر کے اس کا مقام متعین کر دینا ہے جو انسانی عقل کے دسترس سے باہر کی چیز ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کا کام ہست و بود کی نیرنگیوں کی تحقیقات میں الجھنا نہیں ہے جو بہت حد تک انسان کے قابو میں ہیں۔

جو لوگ دنیا کے لئے "نافع" ہوتے ہیں ان کے چند خصائل و اعمال

پھر آگے چل کر قرآن حکیم نے ان لوگوں کے اعمال گنائے ہیں جو احکام حق قبول کر کے دنیا کے لئے "نافع" ثابت ہوتے۔

اَلَّذِیْنَ یُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا یَنْقُضُوْنَ الْمِیْثَاقَ۔ ۱۳/۲۰

جو لوگ اللہ کے ساتھ اپنی عبودیت کا عہد پورا کرتے ہیں اور قول و قرار کو توڑتے نہیں (اللہ کی غلامی میں سچے اور کامل ہیں)

وَالَّذِیْنَ یَصِلُوْنَ مَاۤ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنْ یُّوْصَلَ

جن رشتوں کو اللہ نے جوڑے رکھنے کا حکم دیا انھیں جوڑے رکھتے ہیں (ظلم و ناانصافی سے توڑتے نہیں بلکہ ہر رشتہ اور ہر تعلق کا حق ادا کرتے ہیں)

"پہلی آیت تمام حقوق اللہ کو شامل ہے اور دوسری تمام حقوق العباد کو"

وَیَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَیَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ ۱۳/۲۱

اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں اور حساب کی سختی سے اندیشہ ناک رہتے ہیں (آخرت کی فکر سے بے پرواہ نہیں ہوتے اور ہر وقت اللہ کے سامنے جواب دہی کا تصور پیش نظر رہتا ہے)

وَالَّذِیْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ

اپنے رب کی رضا جوئی کی خاطر، ہر طرح کی سختیوں اور ناگواریوں کو برداشت کرتے ہیں (اس راہ میں ہر طرح کی ناگوار حالتیں صبر و ثابت قدمی کے ساتھ جھیل لیتے ہیں اور شدتوں محنتوں کو پیٹھ نہیں دکھاتے)

وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ

نماز اس کی ساری شرطوں کے ساتھ قائم رکھتے ہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وَأَنفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً — جو کچھ کماتے ہیں صرف اپنے ہی اوپر نہیں خرچ کرتے بلکہ دوسروں پر کھلے اور پوشیدہ ہر حال میں خرچ کرتے ہیں

وَيَدْرَءُونَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ — برائی کو بھلائی کے ساتھ دفع کرتے ہیں (برائی کے مقابلہ برائی کرنا ان کا شیوہ نہیں بلکہ کوئی ان کے ساتھ کتنی ہی برائی کرے یہ اس کے ساتھ بھلائی سے پیش آتے ہیں)

اور جن جن باتوں کا ذکر کیا گیا ہے ان میں بعض وہ ہیں جن کا تعلق براہ راست "اخلاق" سے ہے اور بعض وہ ہیں جو ایک خاص زاویہ نگاہ کے مطابق اخلاق کو پیدا کرنے والی ہیں مجموعی حیثیت سے جن اخلاقی اوصاف کا تذکرہ قرآن حکیم کے مختلف مقامات میں ملتا ہے ان کی تفصیل یہ ہے۔

اطاعت حق۔ ضمیر کی آزادی۔ شجاعت و بہادری۔ سچائی۔ انصاف و رحم۔ رواداری ایفائے عہد۔ امانت و دیانت۔ عفو و درگذر۔ دشمن سے اچھا برتاؤ۔ مساوات۔ ایثار و قربانی۔ توکل و اعتماد۔ اطمینان و خودداری۔ شیریں کلامی۔ میانہ روی۔ عزم و استقلال۔ پیش بینی۔ امید۔ احتساب نفس (اپنے اعمال کے متعلق حساب لینا تاکہ یہ اندازہ ہو سکے کہ آج اچھے کام کتنے ہوئے ہیں اور برے کام کتنے گر برائیاں زیادہ ہیں تو ارادہ کرے کہ کل ان میں کمی کی کوشش ہو گی اور نیکیاں ہیں تو مزید اضافہ کا ارادہ کرے حتی کہ اس کا دل اور عملی طاقتیں سرتاسر نیک ہو جائیں) ذمہ داری کا احساس۔ ہر کام میں ایمانداری۔ حیار و شرافت۔ عفت و پاکدامنی ہمدردی و غمخواری۔ محبت و مروت۔ صبر و ثبات۔ اخلاص و بے نفسی۔ نیکی سے الفت اور برائیوں سے نفرت۔ بے غرض دوسروں کی خدمت کا جذبہ وغیرہ۔

عروج و زوال کا سنگ بنیاد اخلاق پر رکھا جاتا ہے

دراصل یہی وہ اخلاقی جوہر ہیں جن پر قوموں اور جماعتوں کی زندگی کی بنیاد رکھی جاتی ہے اور انہیں سے قوت و طاقت اور عزت و سلطنت حاصل ہوتی ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیوں کہ یہ اخلاق ہی کی شان ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی "نیابت" کا رنگ پایا جاتا ہے اسی بناء پر داعی انقلابؐ نے فرمایا

تخلقوا باخلاق اللہ (الحدیث) اللہ تعالیٰ والے اخلاق کو اپنے اخلاق بناؤ

ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ دنیا کی جو قوم اور جو جماعت ان اوصاف سے جتنی متصف ہوگی اسی مناسبت سے اہلیت وصلاحیت پیدا کر کے زمین میں اللہ کی "نیابت" کی مستحق ہوگی اور وہی مجموعی حیثیت سے خلق خدا کے لئے "نافع" ثابت ہوگی۔[1]

---

[1] اس موقع پر فلسفۂ تاریخ کے دو مشہور استاد کی رائے نقل کر دینا خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔ علامہ ابن خلدون کہتے ہیں۔

قوموں کی ترقی نہ مادی طاقت کی فراوانی سے ہوتی ہے اور نہ صرف عقل و دماغ کی ترقی سے بلکہ اس کے لئے قومی عصبیت اور اخلاق کی ضرورت ہے۔

وہ اخلاق جن سے قوموں میں زندگی پیدا ہوتی ہے اور عزت و سلطنت ملتی ہے یہ ہیں عمدہ اور اچھی عادتیں مظلوم وبیکس کے باتوں کی برداشت۔ مکروہات و مصائب پر صبر کرنا۔ محنت ومشقت اور جدوجہد سے جی نہ چرانا۔ حق بات کو بغیر کسی رعونت کے سننا اور اس کی پیروی کرنا۔ عہد اور وعدوں کو پورا کرنا۔ ضعیف الحال لوگوں کے ساتھ انصاف اور شفقت سے پیش آنا اور بذل وسخاوت سے کام لینا۔ مسکینوں سے تواضع کے ساتھ ملنا۔ دادخواہوں کی فریاد سننا۔ عزت کی حفاظت کے لئے تن من دھن کی بازی لگا دینا۔ لوگوں سے کرم و عفو کے ساتھ پیش آنا۔ مہمانوں کی میزبانی کرنا مکروہ دغا اور نقضِ عہد سے پرہیز کرنا وغیرہ وغیرہ (مقدمہ ابن خلدون حصہ اول ودوم میں سیر حاصل بحث موجود ہے)

اور ڈاکٹر لیبان" کہتے ہیں

ہر قوم میں انقلابات وتغیرات صرف اخلاق کے ذریعہ ہوتے ہیں اور وہی ان کے مستقبل کا سنگ بنیاد رکھتا ہے۔ . . . .

قومی زندگی کی بنیاد صرف اخلاق کے ستونوں پر قائم ہے عقل و دماغ کا حصہ ان میں بہت کم ہے . . . .

جب کسی قوم کا شیرازۂ اخلاق درہم برہم ہو جاتا ہے تو وہ مرجاتی ہے اور اخلاقی اوصاف میں اسی قدر تنزل پیدا ہوتا ہے جس قدر قوم عقل ودماغ میں ترقی کرتی ہے . . . .

جماعت انسانی کا نظام۔ مذہب کی بنیاد۔ سلطنتوں کا معیار صرف اخلاق کی سطح پر قائم ہے عقل کو اس میں کوئی دخل نہیں . . . .

تمام قومیں اخلاق ہی کے ذریعہ حس وحرکت کرتی ہیں اور صرف غور وفکر سے دنیا کا کام نہیں چلتا ہے۔

عقلی انقلابات میں ذہانت دوسرے درجہ کا انقلاب ہے اصلی سنگ بنیاد صرف اخلاق ہے۔

(بقیہ حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور جو قوم جس قدر اخلاقی جوہر کو ختم کردے گی اسی مناسبت سے وہ رفتہ رفتہ زندگی کی اہلیت وصلاحیت کھو کر تباہ و برباد ہو جائے گی کیونکہ جو خرابی اس راہ سے آتی ہے اس کی براہ راست زد انسان کی بنیاد پر پڑتی ہے جس کی بنا پر وہ زندگی کے تمام گوشوں میں سرایت کرکے اس کے پورے نظام کو درہم برہم کر دیتی ہے۔

اس بارے میں چند آیتیں یہ ہیں

وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا ۱۷/۱۶

اور جب ہمیں کسی شے کو ہلاک کرنا ہوتا ہے تو اس بستی کے خوش حال لوگوں کو حکم (تکوینی) دیتے ہیں پس وہ نافرمانی میں سرگرم ہو جاتے ہیں جس کی بنا پر عذاب کی بات ان پر ثابت ہو جاتی ہے پھر (پاداش عمل میں) انھیں برباد و ہلاک کر ڈالتے ہیں

وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ۱۳۲/۶

ہر ایک کے اس کے اعمال کے مطابق درجے ہیں اور تمہارا پروردگار ان کے اعمال سے غافل نہیں ہے

فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ ۶/۶

ہم نے ان کے گناہوں کی وجہ سے انھیں ہلاک کر دیا

فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ۳/۸

اللہ نے ان کے گناہوں پر انھیں پکڑ لیا

اسی طرح قرآن حکیم نے جہاں کہیں قوموں کی ہلاکت و بربادی یا ان کے عروج و اقبال کا ذکر کیا ہے دونوں کا سبب اعمال و اخلاق کو قرار دیا ہے۔

اس کی نظر میں ترقی و کامیابی بھی اسی راہ سے آتی ہے اور ذلت و ناکامی بھی اسی راہ سے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) لیکن وہ کارخانوں اور کتابوں کے اوراق میں نہیں ملتا ہے بلکہ اس کی تحصیل کے لئے دفتر کے دفتر اُلٹنے پڑتے ہیں اور مختلف قوموں سے واقفیت حاصل کرنی ہوتی ہے ....

جب عقل غیر معمولی نشو و نما حاصل کر لیتی ہے تو اکثر اخلاق کو فنا کر دیتی ہے ....

پھر ڈاکٹر موصوف اپنے دعویٰ کے ثبوت میں مختلف قوموں کی مثال پیش کرتے ہیں مثلاً

رومن قوم اپنے تنزل و انحطاط کے زمانہ میں عقلی حیثیت سے اپنے آباء و اجداد کی بہ نسبت زیادہ طاقتور تھی تاہم چونکہ اپنی آبائی وراثت یعنی اقدام، عزم، شجاعت، جانبازی غرض ان تمام اخلاق کو جن کے ذریعہ ان کے آباء و اجداد نے ترقی کی وہ کھو چکی تھی اس لئے بالآخر تنزل کے غار میں گر پڑی۔

اخلاق ہی کی استواری نے ہندوستان کے تیس کروڑ باشندوں کو ساٹھ ہزار انگریزوں کا غلام بنادیا...... حالانکہ عقلی حیثیت سے ہندوستان میں بہت سے لوگ ہیں جو انگریزوں کے دوش بدوش کھڑے ہو سکتے ہیں بلکہ بعض کو فلسفہ، ریاضیات میں ان پر ترجیح دی جا سکتی ہے (ملاحظہ ہو انقلاب اسلام مطبوعہ ۱۹۳۵ء ص ۵۲، ۵۳)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اخلاق نہ ہونے کی صورت میں تمدن خود تمدن کا دشمن ثابت ہوتا ہے

اس سلسلہ میں اگر آپ پوری دنیا کی تاریخ کا گہری نظر سے مطالعہ کریں اور قوموں کے اتار چڑھاؤ کی رفتار دیکھنے میں نہایت دقیقہ رسی سے کام لیں نیز اخلاقیات کے دائرہ کو ظاہری مراسم تک محدود نہ رکھیں تو دنیا کی ہر قوم اسی حقیقت کی شہادت پیش کرتی نظر آئے گی۔

یہ ظاہر ہے کہ دنیا کی ہر قوم کا سنگ بنیاد دوسری قوم کے کھنڈر پر رکھا جاتا ہے اور بالعموم ہر جانے والی قوم آنے والی سے مادی قوت وطاقت اور وسائل وذرائع میں بڑھی ہوئی ہوتی ہے لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ وہ کون سا بنیادی عنصر ہے جو اس کو اپنا مقام چھوڑنے پر مجبور کرتا ہے۔

اصل بات یہی ہے کہ تمدنی عیش وعشرت اور بے آہنگ عقل وہوس کی نمائش اخلاقی جواہر کو فنا کر کے اس کا حوصلہ پست کر دیتی ہے اور مقابل کی قوم عزم وہمت کے ساتھ نیا حوصلہ لے کر میدان میں آتی ہے جو اخلاقی اقدار کا ایک لازمی عنصر ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ایسی حالت میں فوجی تفوق اور قوت وطاقت کے دیگر وسائل وذرائع کچھ کام نہیں دیتے اور بہت سی مسلح ومتمدن قومیں اُن کے لئے جگہ خالی کر دینے پر مجبور ہوتی ہیں جو دیکھنے میں نہایت پست لیکن اخلاقی اقدار کی تخم ریزی ہو جانے کی بناء پر فوجی اسپرٹ ودیگر لوازم حیات ان میں موجود ہوتے ہیں۔

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ علوم وفنون کی ترقی اور مادی وسائل قومی زندگی میں کوئی اہمیت نہیں رکھتے بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان سب کی حیثیت ثانوی ہے اصلی سنگ بنیاد "اخلاقی اقدار" ہیں۔ اخلاقی طاقت مادی وسائل کی کمی کی تلافی کر دیتی ہے لیکن مادی وسائل کی فراوانی اخلاقی فقدان کی تلافی نہیں کر سکتی اس کی تفصیلی بحث آگے آئے گی۔

ان تمام حقیقتوں میں ہماری غلط فہمی کا سبب یہ ہے کہ کسی قوم کے اُبھار کی ابتدائی حالت سامنے نہیں ہوتی بلکہ اس وقت کی حالت کو دیکھتے ہیں جب کہ قوم ترقی کر چکی ہوتی ہے اس لئے وہ بنیادی باتیں ہماری نظروں سے اوجھل ہو جاتی ہیں جن پر ترقی کی بنیاد ہے۔

© rasailojaraid.com